5

خدا تعالیٰ کی حقیقی محبت اور عظمت اپنے دلوں میں پیدا کرو اور اُسے قومی جذبہ بناؤ

(فرمودہ 30 جنوری 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''پہلے تو مَیں گزشتہ جمعہ کے خطبہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مَیں نے گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں اس خوف کا اظہار کیا تھا کہ اس سال کے چندہ تحریکِ جدید کے جو وعدے ہیں وہ بجائے گزشتہ سال سے زیادہ ہونے کے اس وقت کمی پر جا رہے ہیں اور جماعت کے دوستوں کو تحریک کی تھی کہ جلد سے جلد اپنے وعدے بھجوا کر اس کمی کو پورا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے جماعت کو اس بات کی توفیق دی کہ پیشتر اس کے کہ دوسرا جمعہ آئے اس نے گزشتہ کمی بھی پوری کر دی اور گزشتہ سال سے وعدے بھی بڑھ گئے۔ کام کرنے والی قوموں کے لئے یہ اصل مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے کہ اس کا ہر قدم پہلے کی نسبت آگے پڑے اور ان کے کام بڑھتے چلے جائیں۔ کام کے لحاظ سے دُنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جو کچھ نہ کچھ نہ کرتی ہو۔ لیکن فرق کام کرنے اور نہ کرنے والی قوموں میں یہی ہوتا ہے کہ نکمی قوم ایک جگہ پر کھڑی رہتی ہے یا اس کا قدم پیچھے پڑنے لگتا ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے بڑھانا ہوتا ہے اور جو کام کرنے والی ہوتی ہیں ان کا ہر قدم پہلے سے آگے پڑتا ہے اور اس لئے سلسلہ کے کاموں کے متعلق مجھے ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ ہمارا ہر قدم پہلے سے آگے پڑے۔ اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت ترقی کی طرف ہی جا رہی ہے۔ کیا بلحاظ تعداد کے اور کیا بلحاظ قربانیوں کے۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو اس وقت ہماری خاص توجہ چاہتی ہیں۔ میری مراد ان نقائص سے ہے جو جماعتوں کے بڑھنے سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ہم میں سے بھی بعض میں پیدا ہو رہے ہیں اور وہ لوگ ایمان اور اس کے اثرات کے لحاظ سے اس پایہ کے نہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں۔ ایسے نقص اس وقت تک دور نہیں ہو سکتے جب تک کلّی طور پر ساری جماعت میں یہ احساس پیدا نہ ہو جائے کہ ایسا وجود جماعت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اصلاح کی طرف انسان کا پہلا قدم احساس کی درستی کے ساتھ اٹھتا ہے اور جب کسی قوم میں اصلاح کا زبردست جذبہ پیدا ہو جائے تو یا تو ایسے کمزور افراد اس میں آتے ہی نہیں اور اگر آتے ہیں تو اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ جتنا جذبہ کسی قوم میں مضبوط پیدا ہو جائے اتنا ہی وہ کمزور افراد کو برداشت نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں میں بعض باتیں ایسی ہیں جو بہت بڑی ہیں مگر ان کے متعلق ان میں صحیح جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے ایسے افراد ان میں ہیں جو ان باتوں میں کمزوری دکھاتے ہیں۔

مسلمانوں سے میری مراد اس پاک زمانہ کے مسلمان نہیں جب وہ صحیح طور پر اسلام کی تعلیم پر چلتے تھے بلکہ میری مراد موجودہ زمانہ کے گرے ہوئے مسلمانوں سے ہے۔ انہیں دیکھ کر مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے کہ ان میں خدا تعالیٰ کی محبت اتنی نہیں جتنی رسول کریم ﷺ کی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ آج مسلمانوں میں رسول کریم ﷺ کی اتنی محبت ہے جتنی ہونی چاہئے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ سے ان کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہے۔ گو وہ بھی کم ہے۔ نسبتی طور پر اگر کمی ہو تو وہ بھی ایمان کو قائم رکھنے والی چیز ہوتی ہے مگر وہ نسبت بھی آج ٹوٹ چکی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی شان کے خلاف کوئی مسلمان کوئی بات نہیں کرتا مگر ایسے ہزاروں مسلمان ہیں جو خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف باتیں کر دیتے ہیں۔ ہزاروں، لاکھوں مثالیں اس قسم کی مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔

مَیں جب حج کے لئے گیا تو اسی جہاز میں بعض مسلمان نوجوان بھی سوار تھے جو بیرسٹری کی تعلیم کے لئے انگلستان جا رہے تھے اور وہ سارا دن مذہب اور خدا تعالیٰ کی ذات کے خلاف حملے کرتے رہتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی اس کی صفات اور مذہب کی ضرورت کی ہنسی اڑاتے تھے۔

کئی دن تک یہی حال رہا۔ ان میں ایک ہندو نوجوان بھی تھا اور وہ بھی ویسا ہی دہریہ مزاج تھا جیسے مسلمان۔ وہ سارے مل کر اعتراض کرتے رہتے تھے اور مَیں ان کو جواب دیتا تھا۔ ان کے اعتراض بھی کوئی علمی اعتراض نہ ہوتے تھے بلکہ ہنسی مذاق کی قسم کے اعتراضات کرتے تھے بیشتر اعتراض اس قسم کے ہوتے تھے کہ مثلاً جہاز کا سٹیوارڈ (Steward) جو کھانا لاتا ہے وہ پانچ چھ پلیٹیں اٹھالاتا ہے اور مَیں یہ چھوٹا سا تنکا میز پر رکھتا ہوں۔ خدا اسے تو یہاں سے اٹھا دے۔ اسی قسم کی باتوں کے دوران میں مذہب کے ساتھ ہنسی کرتے کرتے ایک دن اس ہندو نوجوان نے رسول کریم ﷺ کی شان کے خلاف کوئی بات کہہ دی۔ اس پر وہ سب مسلمان نوجوان طیش میں آ گئے اور کہنے لگے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتے حالانکہ وہ خود سارا سارا دن خدا تعالیٰ کا مذاق اڑاتے رہتے تھے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ اگر خدا ہی کوئی نہیں تو محمد مصطفیٰ ﷺ تو رسول رہتے ہی نہیں۔ ان کی تو ساری عمر ہی اس خیال کے پھیلانے میں صرف ہوئی کہ خدا ایک ہے وہ زندہ ہے اور وہی اس دنیا کا سارا کارخانہ چلاتا ہے۔ اگر خدا ہی کوئی نہیں اور نہ وہ اس دنیا کے کارخانے کو چلاتا ہے اور یہ سب باتیں غلط ہیں تو پھر یہ تعلیم پھیلانے والا کتنے اعتراض کے نیچے ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہم دلیل وغیرہ نہیں جانتے۔ ہمیں رسول کریم ﷺ کی ذات سے محبت ہے اور ان کے خلاف ہم کوئی بات نہیں سن سکتے۔

یہ بالکل عیسائیوں والی کیفیت ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کے خلاف باتیں کر لیتے ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے حتّٰی کہ ان میں سے جو دہریہ ہیں ان میں سے بھی اکثر خدا تعالیٰ کو تو گالیاں دیتے ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتے۔ مَیں جب ولایت گیا تو وہاں بعض دوست ایک دہریہ ڈاکٹر کو میرے ساتھ ملاقات کے لئے لائے۔ مَیں نے ان سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے دل میں مذہب موجود ہے؟ مگر اس نے کہا کہ نہیں مَیں کلّی طور پر مذہب کو چھوڑ چکا ہوں۔ مَیں نے باتوں باتوں میں بعض وہ اعتراضات جو اناجیل کے رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی پر پڑتے ہیں بیان کئے تو وہ طیش میں آ گئے اور کہنے لگے کہ آپ یسوع مسیح پر اعتراض کیوں کرتے ہیں۔

مَیں نے کہا کہ جب آپ مذہب کے ہی قائل نہیں تو پھر حضرت عیسیٰ کی عزت آپ کیوں کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ نہیں مَیں حضرت عیسیٰ پر اعتراض برداشت نہیں کر سکتا۔ تو مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ ایسا ہے جو اس نسبت کو قائم نہیں رکھ رہا جو خدا تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کے مقام میں ہے اور اس وجہ سے وہ عقلی توازن بھی کھو بیٹھا ہے جو انسان بڑی چیز کو چھوٹی اور چھوٹی کو بڑی قرار دیتا ہے وہ اَور بھی بیسیوں قسم کی غلطیاں کرتا ہے اور اپنے عقلی توازن کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ یہ فرق اس لئے ہے کہ مسلمانوں میں آنحضرت ﷺ سے محبت کے جذبات بڑھانے کے لئے پورا زور لگایا گیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے اتنا زور نہیں لگایا گیا اور اس لئے اللہ تعالیٰ سے محبت کا احساس قوم میں شدید نہیں ہؤا۔ کسی کے دل میں خدا تعالیٰ کے متعلق کوئی شبہ پیدا ہؤا اور اس نے کسی مجلس میں اظہار کیا تو لوگوں نے وہ غیرت نہیں دکھائی جو آنحضرت ﷺ کے متعلق دکھائی۔ اس لئے قوم میں ایک جذبہ بڑھتا گیا اور دوسرا کم ہوتا گیا۔ یہی حال کھانے پینے کے بارہ میں ہے۔ سؤر کے متعلق مسلمانوں میں شدید جذبہ ہے مگر شراب کے متعلق اتنا نہیں۔ اگر کسی کو شراب پیتا دیکھ لیں تو اس سے اتنی نفرت نہیں کرتے لیکن سؤر کھانے والا مسلمانوں میں نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ بعض مغربی تہذیب کے اثر میں آکر کھا بھی لیتے ہیں مگر ایسے بہت کم ہیں۔ سینکڑوں نوجوان یورپ میں جا کر حلال حرام کی تمیز چھوڑ دیتے ہیں مگر سؤر سے پھر بھی پرہیز کرتے ہیں۔ اگرچہ بعض ایسے بھی ہیں جو وہاں سؤر بھی کھا لیتے ہیں مگر یہاں آکر اس کا اظہار نہیں کرتے لیکن سینکڑوں ہیں جو وہاں جا کر شراب پیتے ہیں، ناچوں وغیرہ میں شامل ہوتے ہیں اور باقی سب باتیں کرتے ہیں مگر سؤر نہیں کھاتے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں اس کے خلاف شدید جذبہ ہے۔ تو جب قومی جذبات شدت اختیار کر لیں تو قوم کے افراد میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ کام نہیں کرنا حالانکہ اس سے زیادہ برے کام بھی کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں میں کئی حرام خور ہیں، بد دیانت، چور، ڈاکے مارنے والے اور ظالم بھی ہیں مگر وہ سؤر نہیں کھاتے کیونکہ اس کے خلاف شدید جذبات پیدا کر دیئے گئے۔ اسی طرح ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو رسول کریم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے کوئی محبت نہیں۔

شرک کرتے ہیں، قبروں پر جا کر سجدے کرتے ہیں اور غیر اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں بلکہ بعض واعظ تو برملا اپنے وعظوں میں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف اگر کوئی بات ہو تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں مگر ہم آنحضرت ﷺ کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ذریعہ نجات کا ہے حالانکہ جو خدا تعالیٰ کو چھوڑتا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ نسبت قائم کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ تو قیامت کے روز اس کی شکل دیکھنا بھی پسند نہ کریں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا ایک نظارہ اس سلسلہ میں ہمارے لئے سبق ہے۔ آپ ایک دفعہ باہر تشریف لے گئے۔ لاہور کا ریلوے سٹیشن تھا۔ دوست آپ کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑے تھے کہ اتنے میں پنڈت لیکھرام بھی وہاں آ گئے اور جیسے آدمی بڑے آدمی کو سلام کرتا ہے پنڈت صاحب نے بھی آپ کو سلام کیا مگر آپ نے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پنڈت صاحب نے پھر سلام کیا مگر آپ نے پھر مُنہ پھیر لیا۔ وہ آریہ سماج میں بہت شہرت رکھتے تھے اور یہ فرقہ پنجاب کے ہندوؤں میں بہت طاقت رکھتا ہے اور معزز ترین عہدے ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جماعت کے بعض دوستوں نے خیال کیا کہ یہ بڑا آدمی ہے اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو سلام کیا ہے تو گویا ہماری بڑی عزت قائم ہوئی ہے اور آپ نے جو جواب نہیں دیا تو اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آپ نے سنا نہیں۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بہت محبت رکھتے تھے۔ گو بعد میں پیغامی ہو گئے تھے مگر وفات کے وقت آپ نے اس پر اظہارِ ندامت بھی کیا اور مجھے دعا کے لئے کہلا کے بھی بھیجا۔ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ آریوں کے لیڈر کا سلام کرنا بڑی عزت کی بات ہے عرض کیا کہ حضور نے شاید دیکھا نہیں، پنڈت لیکھرام صاحب سلام کہتے ہیں۔ مَیں تو اس وقت بچہ تھا مگر دوسرے دوستوں کی روایت ہے کہ آپ یہ بات سن کر جوش میں آ گئے اور فرمایا کہ یہ شخص میرے آقا کو تو گالیاں دیتا ہے اور مجھے سلام کہتا ہے۔

جس طرح آنحضرت ﷺ ہمارے آقا ہیں، اسی طرح ہمارا اور آنحضرت ﷺ کا آقا اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اصل ہستی ہے۔ انسان خواہ کتنا بڑا ہو خدا تعالیٰ کی برابری تو نہیں کر سکتا۔ تو چاہئے تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کے لئے مسلمانوں کے دِلوں میں غیرت زیادہ ہوتی اور محمد رسول اللہ ﷺ

کے لئے اس کی نسبت کم۔ مگر ایسا نہیں ہے حالانکہ خود آنحضرت ﷺ کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ احد کی جنگ میں بعض مسلمانوں کی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست سے بدل گئی اور کفار نے پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں کو تتّر بتّر کر دیا تو ایسی خطرناک حالت پیدا ہو گئی کہ بعض مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ ہمیں آج کفار تَہہِ تیغ اور نیست و نابود کر دیں گے اور لشکر میں سے بعض تو ایسے گھبرائے کہ بھاگ کر مدینہ جا پہنچے اور یہ بھی مشہور ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی کہ زمین و آسمان ان کے لئے تنگ ہو گئے تھے اور وہ سمجھنے لگے تھے کہ آج ہمارے ٹھکانے کی کوئی جگہ نہیں۔

ایک انصاری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فتح ہونے کے بعد لشکر سے پیچھے چلے گئے۔ انہوں نے کھانا نہ کھایا تھا اور فتح حاصل ہونے کے بعد جب مسلمان کافروں کو قید کرنے لگے تو وہ الگ چلے گئے۔ ان کے پاس کچھ کھجوریں تھیں جو وہ کھانے لگے۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے جو آئے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ ایک پتھر پر بیٹھے رو رہے ہیں۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ عمرؓ مسلمانوں کو فتح ہوئی ہے اور آپ رو رہے ہیں۔ کیا بات ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تمہیں پتہ نہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ دشمن نے اچانک پیچھے سے حملہ کر دیا اور مسلمان تتّر بتّر ہو گئے اور آنحضرت ﷺ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے پاس دس پندرہ یا بیس جتنی بھی کھجوریں تھیں وہ کھا چکے تھے اور صرف ایک کھجور باقی تھی۔ حضرت عمرؓ کی یہ بات سنی تو اس کھجور کو زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ میرے اور خدا تعالیٰ کی جنت کے درمیان اس کھجور کے سِوا اور کیا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کی طرف تعجب سے دیکھا اور کہا کہ عمر! رو کس لئے رہے ہو۔ ہمارا کام یہ ہے کہ جہاں رسول کریم ﷺ گئے ہیں وہیں ہم بھی جائیں۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچی اور اکیلے ہی دشمن کے لشکر پر جا پڑے اور ایسی بے جگری سے لڑے کہ جنگ کے بعد ان کی لاش بھی ایک جگہ نہ ملی۔ بلکہ ہاتھ کٹا ہوا کہیں سے ملا۔ پاؤں کہیں سے اور دھڑ کہیں سے۔[1] تو یہ گویا ایسا سخت وقت تھا کہ جو اسلام کے تاریک ترین اوقات میں سے ایک تھا مگر جلدی ہی صحابہؓ کو معلوم ہو گیا کہ یہ ان کی غلطی تھی اور رسول کریم ﷺ زندہ ہیں۔ آپ کے جو محافظ تھے وہ شہید ہو ہو کر آپ کے اوپر گر پڑے تھے اور آپؐ بے ہوش ہو کر ان کے نیچے پڑے تھے۔

صحابہؓ نے آپؐ کو لاشوں کے نیچے سے نکالا اور جوں جوں مسلمانوں کو علم ہوتا گیا وہ آپ کے گرد جمع ہوتے گئے مگر پھر بھی ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ رسول کریم ﷺ ان کو ساتھ لے کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے۔ ابوسفیان نے بڑے تکبر سے آواز دی کہ مسلمانو! کہاں ہے تمہارا محمد؟ (ﷺ) ہم نے اسے مار دیا۔ صحابہؓ جواب دینا چاہتے تھے مگر آپ نے روک دیا۔ کفار کو خیال تھا کہ مسلمانوں کے سب لیڈر مارے گئے ہیں۔ اس لئے ابوسفیان نے پھر آواز دی۔ کہاں ہے ابوبکرؓ ؟ ہے تو بولے۔ صحابہؓ پھر جواب دینا چاہتے تھے مگر آپؐ نے روک دیا۔ پھر اس نے کہا کہ کہاں ہے عمرؓ؟ ہے تو جواب دے۔ حضرت عمرؓ تو کہنا چاہتے تھے کہ مَیں تمہارا سر توڑنے کے لئے یہاں موجود ہوں مگر آپؐ نے فرمایا۔ مت بولو۔ دشمن کو کیوں اپنی اطلاع دیں۔ دراصل ابوسفیان کی غرض یہی تھی کہ مسلمانوں کی خبر معلوم کرے اور پتہ لگائے کہ کون کون زندہ ہے اور کون کون نہیں اور وہ اپنے خیال کو یقین سے بدلنا چاہتا تھا۔ آجکل بھی جنگ میں ایسی خبریں مشہور ہوتی رہتی ہیں جن کی غرض صرف اطلاع حاصل کرنا ہوتی ہے مثلاً مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں جرنیل پکڑا گیا ہے یا فلاں جہاز ڈوب گیا ہے اور جرنیل یا جہاز جس حکومت کا ہوتا ہے وہ خاموش رہتی ہے اس وقت تردید نہیں کرتی۔ بعد میں کسی وقت اس کی تردید کر دیتی ہے۔ ایسی غلط خبر مشہور کرنے سے دشمن کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ معلومات حاصل کرے۔ کفار کی غرض بھی یہی تھی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا کہ دشمن کو پتہ دے کر کیوں حملہ کرواتے ہو۔ جب مسلمانوں کی خاموشی سے ابوسفیان نے سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سب کو ہم نے مار دیا ہے تو اس نے بڑے زور سے اپنا مشرکانہ نعرہ بلند کیا اور کہا اُعْلُ ھُبَل، اُعْلُ ھُبَل یعنی ہمارا ھبل دیوتا بڑی شان والا ہے مسلمان بھلا اس کے مقابل پر کب ٹھہر سکتے تھے۔ یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ نے جو اپنی موت کا اعلان سن کر اور اپنے صحابہؓ کی موت کا اعلان سن کر خاموش تھے اور اپنے صحابہؓ کو بھی جواب دینے سے روک رہے تھے۔ صحابہؓ سے فرمایا کہ جواب کیوں نہیں دیتے۔ چونکہ پہلے کئی بار آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو روک چکے تھے۔ اس وجہ سے صحابہؓ خیال کرتے تھے کہ شاید ہمیں بولنے کا حکم نہیں اس لئے خاموش تھے مگر جب ابوسفیان نے کہا اُعْلُ ھُبَل تو آپؐ نے فرمایا

کہ جواب کیوں نہیں دیتے۔ صحابہؓ نے عرض کیایَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہم تو آپؐ کی وجہ سے خاموش تھے۔ آپؐ نے فرمایانہیں۔ جواب دو کہ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلّ یعنی تمہارے ھبل کی کیا حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بلند اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ 2

دیکھو کس طرح اپنی اور اپنے صحابہؓ کی موت کا اعلان تو برداشت کر لیا مگر جب خدا تعالیٰ کا نام آیا تو اس وقت آپ نے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ہم تھوڑے ہیں۔ اگر دشمن کو پتہ لگ گیا تو وہ حملہ کر کے نقصان پہنچائے گا بلکہ صحابہؓ سے فرمایا کہ جواب دو۔ تو نسبت کو قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے خلاف صحابہ میں ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب آپؐ کی وفات ہوئی تو بعض صحابہؓ نے خیال کیا کہ آپؐ کی وفات بے وقت ہوئی ہے۔ بعض نے خیال کیا کہ آپؐ ابھی زندہ ہیں، آسمان پر گئے ہیں اور پھر آئیں گے اور یہ خیالات اتنی طاقت پکڑ گئے تھے کہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ ان کی تردید کرے حتّٰی کہ جن کے حواس قائم تھے وہ بھی اس کی تردید نہ کر سکتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ مدینہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ اس لئے آپ کسی کام کے لئے باہر چلے گئے۔ بعض صحابہؓ نے آپ کی طرف آدمی بھیجا۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو فوراً واپس آئے۔ اس وقت ایسی حالت تھی کہ حضرت عمرؓ تلوار لے کر کھڑے تھے کہ جو شخص کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں مَیں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ آپ بہت جوشیلے آدمی تھے اور مسجد میں یہ کہہ رہے تھے کہ اگر کسی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے تو مَیں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ 3 حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اسے مدنظر رکھتے ہوئے ان کی یہ حالت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ جب تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ کے گھر میں جو آپ کی بیٹی تھیں چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش بھی وہیں پڑی تھی۔ آپ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے؟ انہوں نے کہا ہاں فوت ہو گئے ہیں۔ آپ خاموشی سے جسم اطہر کے پاس پہنچے، سر سے کپڑا اٹھایا، پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں وارد نہیں کرے گا یعنی ایک تو آپ جسمانی طور پر فوت ہو گئے ہیں اب یہ نہیں ہو گا کہ

مسلمانوں میں مشرکانہ عقائد قائم ہو جائیں اور روحانی طور پر آپ کا مشن مر جائے۔ یہ کہہ کر آپ مسجد میں آئے حضرت عمرؓ نے آپ کو بٹھانا چاہا مگر آپ نے جھٹکا دے کر ان کو پرے ہٹا دیا اور کھڑے ہو گئے اور یہ آیت پڑھی وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ۔ [4] یعنی اے مسلمانو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کتنے ہی محبوب تھے، کتنے ہی پیارے تھے۔ ہم آپ کے لئے جانیں دیتے تھے لیکن بہر حال وہ انسان تھے اور جس طرح آپ سے سے پہلے تمام رسول فوت ہو گئے آپ بھی فوت ہو گئے۔ پھر آپ نے زور سے فرمایا کہ بعض لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ آپ کی وفات ناممکن ہے لیکن مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ۔ [5] جو تم میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا۔ میں اسے علی الاعلان سناتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو گئے لیکن جو خدا تعالیٰ کی پوجا کرتا تھا اسے بتاتا ہوں کہ وہ زندہ ہے اور اس پر موت کبھی نہیں آسکتی۔ یہ وہ اعلان تھا جسے سن کر کسی کے دل میں بھی وہ وسوسہ باقی نہ رہا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا خیال قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں نہیں ٹھہر سکتا۔

حضرت عمرؓ جو تلوار لے کر کھڑے تھے کہ جو کہے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں مَیں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی کہ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، جس طرح آپ سے پہلے تمام رسول فوت ہو گئے۔ آپ کے لئے بھی موت مقدر ہے۔ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ کیا اگر آپ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے تو مجھے یوں معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت قرآن کریم میں پہلے نہ تھی اور اب نئی نازل ہوئی ہے اور مجھے سمجھ آ گئی کہ واقعی آپ فوت ہو گئے ہیں اور یہ خیال آتے ہی میری ٹانگیں کانپنے لگیں اور باوجود تلوار کا سہارا ہونے کے مَیں زمین پر گر گیا۔ [6] تو یہ صحابہ کا ایک نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ کس قدر عشق ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھا۔ کیا آج کے مسلمان اس کا کوئی نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ اس عشق کی مثال قومی لحاظ سے قطعاً کہیں نہیں ملتی۔ کیا شاندار وہ قربانیاں ہیں جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ان لوگوں نے کیں۔ اس عشق کی

مثالیں بہت سی ہیں۔ ایک دفعہ ایک صحابی جنگ میں کفار کے ہاتھوں قید ہوگئے۔ کئی مسلمان پکڑے گئے جن میں سے ایک وہ بھی تھے۔ دشمن نے انہیں مکہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ خریدنے والوں کے کسی رشتہ دار کو انہوں نے قتل کیا ہوُا تھا۔ اس لئے انتقام لینے کی خاطر انہوں نے انہیں خرید لیا تا قتل کر کے اپنے کلیجہ کو ٹھنڈا کریں۔ وہ انہیں طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے۔ ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ ایک دن انہیں کہا کہ تم یہ پسند نہ کروگے کہ تمہاری جگہ یہاں محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) ہماری قید میں ہوں اور تم گھر میں اپنے بیوی بچوں میں آرام سے بیٹھے ہو۔ یہ کیسا نازک وقت ہوتا ہے جب انسان سمجھتا ہے کہ مَیں دشمن کے قابو میں ہوں اور وہ جو چاہے مجھے تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ قیدی کی طاقت ہی کیا ہوتی ہے کہ وہ اپنے پکڑنے والوں کے سامنے جواب دے سکے مگر وہ صحابی کفار کی یہ بات سن کر حقارت کی ہنسی ہنسے اور جواب دیا کہ تمہیں میرے جذبات کا علم ہی نہیں۔ تم کہتے ہو کہ مجھے یہ پسند ہے یا نہیں کہ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) یہاں تم لوگوں کی قید میں ہوں اور مَیں آرام سے گھر میں بیٹھا ہوں۔ مَیں تو یہ بھی پسند نہیں کر سکتا کہ محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مدینہ میں ہی ہوں اور ان کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے اور مَیں گھر میں بیوی بچوں کے پاس آرام سے بیٹھا ہوں۔[7] غرض یہ شدید عشق تھا جو ان لوگوں کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے تھا۔ اسی اُحد کی جنگ کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک صحابی جنگ میں زخمی ہوئے۔ جب کفار میدان سے ہٹ گئے تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ سے فرمایا کہ زخمیوں کو دیکھو۔ صحابہ تلاش کرنے لگے۔ ایک انصاری رئیس زخمی پڑے تھے اور ان کی حالت ایسی تھی کہ چند منٹ میں ہی فوت ہونے والے تھے۔ ایک صحابی دیکھتے دیکھتے ان کے پاس پہنچے اور بیٹھ گئے۔ حال دریافت کیا اور کہا کہ کوئی پیغام اپنے بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو دینا ہو تو دے دو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں مَیں اسی انتظار میں تھا کہ کوئی مسلمان ملے تو اس کے ہاتھ پیغام بھیجوں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ موت کا وقت گھر میں بھی کیسا سخت ہوتا ہے، مرنے والے کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ چند منٹ بھی اور مل جائیں تو بیوی بچوں اور بہن بھائیوں سے کوئی اَور بات کرلوں۔ ان کے لئے کوئی وصیت کر جاؤں لیکن وہ صحابی بیوی بچوں کے پاس نہیں تھے، گھر میں نہیں پڑے تھے، کسی ہسپتال میں نرم بستر پر نہیں لیٹے تھے بلکہ پتھریلی زمین پر پڑے تھے مگر ایسی

حالت میں بھی انہوں نے یہ پیغام نہیں دیا کہ میری بیوی کو سلام دینا اور اسے کہنا کہ بچوں کی اچھی طرح پرورش کرے یا یہ کہ میری جائداد اس رنگ میں تقسیم ہو یا فلاں فلاں جگہ میرا مال ہے وہ لے لیا جائے بلکہ کہا تو یہ کہا کہ میرے بچوں اور بھائیوں کو میری طرف سے یہ پیغام دینا کہ محمد رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی قیمتی امانت ہیں۔ مَیں نے جب تک جان میں جان تھی اسے قربان کر کے بھی اس امانت کی حفاظت کی اور اب اپنے عزیز بھائیوں اور بچوں کو میری آخری وقت کی یہ وصیت ہے کہ وہ بھی اپنی جانوں کے ساتھ اس امانت کی حفاظت کریں اور یہ کہہ کر دم توڑ دیا۔ [8]

ذرا اس حالت کا نقشہ اپنے ذہنوں میں کھینچو۔ تم میں سے ہر ایک نے مرنے والوں کو دیکھا ہو گا۔ کسی نے اپنی ماں کو، کسی نے باپ کو، کسی نے بھائی بہن کو مرتے دیکھا ہو گا۔ ذرا وہ نظارہ تو یاد کرو کہ کس طرح اپنے عزیزوں کے ہاتھوں میں اور گھروں میں اچھے سے اچھے کھانے پکوا کر اور کھا کر علاج کروا کر اور خدمت کرا کر مرنے والوں کی حالت کیا ہوتی ہے اور کس طرح گھر میں قیامت بپا ہوتی ہے اور مرنے والوں کو سوائے اپنی موت کے کسی دوسری چیز کا خیال تک بھی نہیں ہوتا مگر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کے دلوں میں ایسا عشق پیدا کر دیا تھا کہ انہیں آپ کے مقابلہ میں کسی اَور چیز کی پرواہ ہی نہ تھی۔ مگر یہ عشق صرف اس وجہ سے تھا کہ آپ خدا تعالیٰ کے پیارے ہیں۔ آپ کے محمدؐ ہونے کی وجہ سے یہ عشق نہ تھا بلکہ آپ کے رسول اللہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ وہ لوگ دراصل خدا تعالیٰ کے عاشق تھے اور چونکہ خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ سے پیار کرتا تھا اس لئے آپ کے صحابہؓ آپ سے پیار کرتے تھے اور یہ تو مردوں کے واقعات ہیں عورتوں کو دیکھ لو۔ ان کے دلوں میں بھی آپ کی ذات کے ساتھ کیا محبت اور کیا عشق تھا۔ اُحد کی جنگ کا ہی ایک اَور واقعہ ہے۔ اس جنگ میں مشہور ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو عورتیں اور بچے بھی گھبرا کر روتے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے اور اُحد کی طرف بھاگے۔ اُحد مدینہ سے آٹھ نو میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب وہ ادھر جا رہے تھے تو اس وقت مسلمانوں کا لشکر بھی واپس آرہا تھا اور آنحضرت ﷺ بھی اس کے ساتھ تھے۔ ایک سوار آگے آرہا تھا۔ جب وہ ایک عورت کے پاس سے گزرا تو اس نے

دریافت کیا کہ بھائی رسول کریم ﷺ کا کیا حال ہے؟ وہ چونکہ آپؐ کو دیکھ کر آیا تھا اور جانتا تھا کہ آپؐ بخیریت ہیں اور اس وجہ سے اس کا دل مطمئن تھا۔ اس لئے اس عورت کے سوال کی طرف تو دھیان نہ دیا اور کہا کہ بہن بڑا افسوس ہے تمہارا باپ جنگ میں مارا گیا۔ اس عورت نے کہا کہ مَیں نے تو باپ کا نہیں پوچھا۔ مَیں نے تو رسول کریم ﷺ کے متعلق دریافت کیا ہے مگر اس کا دل چونکہ مطمئن تھا اس نے پھر اس عورت کے سوال پر توجہ نہ دی اور کہا کہ افسوس ہے تمہارا بھائی بھی مارا گیا۔ اس نے کہا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ رسول کریم ﷺ کا کیا حال ہے۔ مگر وہ چونکہ جانتا تھا کہ آپؐ خیریت سے ہیں اس لئے پھر کہا کہ تمہارا خاوند بھی شہید ہو گیا۔ مگر اس عورت نے پھر کہا کہ تم مجھے رسول کریم ﷺ کے متعلق بتاؤ میں کچھ اَور نہیں پوچھتی۔ اس نے کہا کہ وہ تو خیریت سے ہیں۔ یہ سن کر اس عورت نے کہا کہ بس پھر مجھے کسی کے مرنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر رسول کریم ﷺ زندہ ہیں تو ہر چیز میرے لئے زندہ ہے۔[9]

دیکھو کس طرح ایک عورت کے لئے اس کے بھائی، باپ اور خاوند پیارے ہوتے ہیں لیکن وہ سارے کے سارے مارے جاتے ہیں مگر اسے یہ بھی سمجھ نہیں آتی کہ وہ صحابی اس کے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتا۔ یہ محبت تھی جو خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے متعلق ان لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی تھی مگر باوجود اس کے وہ خدا تعالیٰ کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے اور یہی توحید تھی جس نے ان کو دنیا میں ہر جگہ غالب کر دیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں وہ نہ ماں باپ کی پرواہ کرتے تھے اور نہ بہن بھائیوں کی اور نہ بیویوں اور خاوندوں کی۔ ان کے سامنے ایک ہی چیز تھی اور وہ یہ کہ ان کا خدا ان سے راضی ہو جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ فرما دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر مقدم کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدم کیا۔ مگر بعد میں مسلمانوں کی یہ حالت نہ رہی اور اب اگر ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے تو محض دماغی ہے، دل کا نہیں۔ رسول کریم ﷺ کا ذکر اگر ان کے سامنے کیا جائے تو ان کے دلوں میں محبت کی تاریں ہلنے لگتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے عزیزوں کے ذکر پر بھی یہ تاریں ہلتی ہیں۔

ابھی محرم گزرا ہے۔ شیعہ تو اس پر امام حسینؓ کا ماتم کرتے ہیں اور سُنّی بھی ان کے

ذکر پر جوش میں آجاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ان کے دلوں میں محبت کی کوئی تار نہیں ہلتی حالانکہ انہیں سوچنا چاہئے کہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اگر قیمتی وجود ہیں تو یہ قیمتی وجود ہمیں کس نے دیا۔ یہ ہمارے رب نے ہی دیا تھا۔ جو شخص موتی کو یاد رکھتا ہے مگر اس کے دینے والے کو بھول جاتا ہے اس سے زیادہ کافر نعمت اَور کون ہو سکتا ہے۔ حقیقی ترقی اللہ تعالیٰ کی محبت سے ہی حاصل ہوتی ہے مگر چونکہ مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کی محبت کو قومی جذبہ نہ بنایا اس لئے وہ ان میں سرد ہو گئی۔

پس مَیں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس جذبہ کو اپنے دلوں میں پیدا کریں۔ یہ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اگر کسی کو جھوٹ کی عادت ہے تو اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں پوری نہیں۔ اگر بد دیانتی ہے تو اسی لئے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کامل نہیں۔ باقی انبیاء کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اسی لئے آئے تھے کہ خدا تعالیٰ کی محبت دلوں میں قائم کریں اور جب یہ جذبہ کسی قوم میں پیدا ہو جائے تو سب باتیں خود بخود درو بہ اصلاح ہو جاتی ہیں۔ جس دل میں خدا تعالیٰ کی محبت ہو وہ ایک قیمتی موتی ہوتا ہے اور جس طرح تم میں سے کوئی بھی قیمتی موتی کو پاخانہ میں نہیں پھینکتا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس دل کو جس میں اس کی محبت ہو گندگی میں نہیں پھینکتا۔ پس اپنے دلوں میں بھی اس جذبہ کو پیدا کرو اور جماعت میں بھی اسے پیدا کرو۔

ہماری جماعت کے مبلغ اور واعظ جب بھی موقع ملے خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی عظمت دلوں میں قائم کریں اور یہ آگ اس طرح ہر دل میں لگی ہوئی ہو کہ تمہیں بھی اور تمہارے گرد و پیش رہنے والوں کو بھی جلاتی رہے۔ یہی نقطۂ مرکزی ہے ہر مذہب کا اور یہی نقطہ مرکزی ہے خدا تعالیٰ سے آنے والے سب دینوں کا۔ جس دین میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں وہ دین مردہ ہے۔ جس دل میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں وہ دل مردہ ہے اور جس قوم میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں وہ قوم مردہ ہے۔ نہ وہ مذہب کسی کو نجات دلا سکتا ہے جس میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں اور نہ وہ دل نجات پا سکتا ہے جس میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں اور نہ وہ قوم دنیا میں کوئی کام کر سکتی ہے جس قوم میں خدا تعالیٰ کی محبت نہ ہو۔ پس خدا تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا کرو،

اس جذبہ کو قومی جذبہ بناؤ پھر سب کمزوریاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ وہ انسان بھی کیا انسان ہے جو صبح اٹھتا اور اپنے دنیوی کام کاج میں لگ جاتا اور جب رات ہوتی ہے سو جاتا ہے اور دن رات میں ایک منٹ کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی محبت کی چنگاری اس کے دل میں نہیں سلگتی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے وجود کا خیال کر کے بھی سر سے پیر تک جسم میں رعشہ طاری ہو جانا چاہئے اور قلب کی تار تار ہل جانی چاہئے۔ آج دنیا میں کسی نے کسی امام کی محبت کو قومی جذبہ بنالیا ہے، کسی نے ختم نبوت کے غلط معنے کر کے اسے قومی جذبہ بنالیا ہے، کسی قوم نے سَوراج کو اپنا قومی جذبہ بنالیا ہے مگر مَیں احمدیوں سے کہتا ہوں کہ تمہارا قومی جذبہ خدا تعالیٰ کی محبت ہونا چاہئے اور تمہارے اندر سے خدا تعالیٰ کی محبت کی ایسی چنگاریاں نکل رہی ہوں کہ تمہارے گردو پیش رہنے والے بھی اس آگ سے جلنے لگیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آگ جلے اور اس میں سے چنگاریاں نہ نکلیں۔ اس لئے جب تم اس آگ کو روشن کرو گے تو وہ تمہارے گردو پیش رہنے والوں کو بھی ضرور جلائے گی۔ جب تم خدا تعالیٰ کی محبت کو قومی جذبہ بنالو گے تو تمہارے اردگرد ایسی دیوار قائم ہو جائے گی کہ جسے توڑ کر شیطان اندر نہ آسکے گا اور کوئی ہلاک کر سکنے والی بلا اندر نہ آسکے گی اور یہ ایسا پاک مقام ہو گا کہ خدا تعالیٰ اس سے جدا رہنا کبھی پسند نہیں کرے گا۔ دنیا کو دیکھو اور دنیا داروں کے جذبات کو دیکھو اور ان جذبات کے لئے جو وہ قربانیاں کر رہے ہیں ان کو دیکھو اور ان سے سبق حاصل کرو۔ ان کے جذبات بالکل ادنیٰ اور معمولی ہیں لیکن تمہارا خدا جو تمہارا معشوق ہونا چاہئے، حسین ترین وجود ہے۔ پس اس سے تمہاری محبت بہت زیادہ ہونی چاہئے اور اس محبت میں بہت زیادہ جوش اور بہت زیادہ گرمی ہونی چاہئے۔ ایسی گرمی اور ایسا جوش کہ اس کی مثال دنیا کی اَور محبتوں میں نہ پائی جاتی ہو۔“

(الفضل 7 فروری 1942ء)

1: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 88 مطبوعہ مصر 1936ء

2: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد

3: اسد الغابۃ جلد 3 صفحہ 221، مطبوعہ ریاض 1286ھ

4: اٰل عمران: 145

5: بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قَوْل النَّبِیِّ ﷺ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا

6: تاریخ کامل ابن اثیر جلد 2 صفحہ 324۔ مطبوعہ بیروت 1965ء

7: اسد الغابۃ جلد 2 صفحہ 230 مطبوعہ بیروت 1285ھ

8: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 100-101۔ مطبوعہ مصر 1936ء

9: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 105 مطبوعہ مصر 1936ء